مولانا محمد تقی امینی

# قرآنی علم وفہم کا درجۂ حکمت

(دوسری قسط)

قرآنِ حکیم کتابِ فطرت ہے۔ اس کے علم وفہم میں درجۂ حکمت تک رسائی کے لئے انسانی سماج اور قرآنی آیات میں فطری نقطۂ نگاہ سے غور وفکر کی ضرورت ہے جو خود اس نے پیش کیا ہے۔

انسان کی پیدائشی بناوٹ سے متعلق جو آیتیں ہیں ان میں غور وفکر سے فطری نقطۂ نگاہ کا تعین ہوتا ہے۔ مثلاً

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ[1] — "ہم نے انسان کو بہترین ساخت پر پیدا کیا"

یہ سورۂ والتین کی آیت ہے جس کا موضوع ہی فطرت کی نقاب کشائی ہے۔

"تقویم" کے معنی سیدھا کرنا، مناسب انداز میں ڈھالنا اور مہذب وآراستہ کرنا جیسا کہ لغت وتفسیر میں یہ معنی منقول ہیں۔

| | |
|---|---|
| قومتہ فاستقام[2] | میں نے اس کو سیدھا کیا پس وہ سیدھا ہوگیا۔ |
| قومہ الدھر ای جعلہ متزنا حصیف الرأی والعقل[3] | زمانے نے اس کو سیدھا کر دیا یعنی موزوں صائب الرائے اور دور اندیش بنا دیا۔ |

---

[1] سورہ والتین آیت ۴ [2] فخر الدین رازی۔ تفسیر کبیر سورہ والتین [3] محمد علی صابونی صفوۃ التفاسیر سورۂ والتین

| | |
|---|---|
| التقويم تصيير الشئ على ماينبغى ان يكون فى التاليف والتعديل[1] | تقویم کا مطلب ہے ایک چیز کو اس طرح متناسب و متوازن بنانا جس طرح کہ اسے ہونا چاہیے۔ |
| تقويم الشئى تثقيفه[2] | کسی شے کی تقویم، اس کو مہذب و آراستہ کرنا ہے۔ |

احسن تقویم کی تفسیر میں مفسرین سے یہ منقول ہے:۔

(۱) انسان میں وہ صفتیں نقش ہیں جو اللہ کے لئے مذکور ہیں وہ خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جو کائنات میں موجود ہیں[3]

(۲) روحانی خصوصیتوں کے ذریعے انسان اس بلند مقام پر پہنچ جاتا ہے، جہاں ملائکہ مقربین نہیں پہنچتے ہیں فطری صلاحیتوں کے ذریعے ان کمالات کو حاصل کر لیتا ہے جو اس کے لئے مقدر ہیں[4]

(۳) انسان کی فطرت خیر کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے، اس کو خیر و شر کا علم ہے، دونوں کی طرف میلان ہے اور کرنے و نہ کرنے میں اس کو اختیار ہے[5]

"احسن تقویم" کے ثبوت میں چار چیزوں (انجیر، زیتون، طور سینا اور مکہ معظمہ کی قسم کھائی گئی ہے جن کی عظمت و بڑائی بیان کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ثبوت میں بطور شہادت ان کو پیش کرنا مقصود ہے، جیسا کہ اس آیت میں یمین (قسم) اور شہادت کے طریق استعمال سے قرآنی قسموں کی نوعیت کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

اِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ تا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ[6]

"جب منافق آپؐ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسولؐ ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ بے شک آپؐ اس کے رسولؐ ہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافقین بالکل جھوٹے ہیں۔ انہوں نے اپنی قسموں

---

[1] تفسیر کبیر [2] راغب اصفہانی، المفردات فی غرائب القرآن
[3] قاضی ثناء اللہ، تفسیر مظہری سورۂ والتین [4] سید قطب فی ظلال القرآن سورۂ والتین
[5] حمید اللہ فراہی تفسیر والتین [6] المنافقون آیت ۱،۲

(شہادت) کو ڈھال بنا رکھا ہے۔ وہ دوسروں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں
بلاشبہ یہ نہایت ہی بُرا کام کر رہے ہیں۔"

ثبوت میں جن چار چیزوں کو بطور شہادت پیش کیا گیا ہے ان سے وہ علاقے اور مقامات مراد ہیں جن میں صاحب شریعت اور اولوالعزم پیغمبر "احسن تقویم" کے اعلیٰ نمونہ بنا کر بھیجے گئے اور جن کی زندگی کا مشن ہی اس کی طرف دعوت دینا تھا۔ چنانچہ "تین" کے معنی انجیر ہے لیکن محققین مفسرین کے نزدیک اس سے جودی پہاڑ و اطراف کا وہ علاقہ مراد ہے جس میں انجیر کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اور جو حضرت نوح علیہ السلام کا مستقر اور طوفان نوح کے بعد "احسن تقویم" کی دعوت کا اوّلین مرکز تھا۔ "زیتون" سے شام کے پہاڑ کا وہ علاقہ مراد ہے جس میں زیتون کی پیداوار زیادہ ہوتی ہے اور جو بہت سے انبیاء علیہم السلام و حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مستقر و "احسن تقویم" کی دعوت کا میدان تھا۔ "بلد امین" (امن کا شہر) سے مکہ معظمہ مراد ہے جس میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی اعلیٰ مانندگی موجود تھی اور جو خانہ کعبہ کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے "احسن تقویم" کی دعوت کا مرکز قرار پایا۔

جس طرح قرآن حکیم میں بکثرت علاقے و مقامات کے تذکرہ سے وہاں کے باشندوں کو بطور ثبوت پیش کرنا مقصود ہوتا ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَآئِهَا[1] — یہ بستیاں ہیں جن کے احوال ہم آپؐ کو سناتے ہیں۔

اسی طرح ان علاقوں اور مقامات کے تذکرہ سے بھی وہاں کے ان باشندوں (انبیاء علیہم السلام) کو بطور شہادت پیش کرنا مقصود معلوم ہوتا ہے جو "احسن تقویم" کے گل سرسبد ہیں۔ پھر اس طرز بیان میں شہادت کی جو جامعیت ہے وہ کسی اور طرح نہیں پیدا ہو سکتی کہ یہ علاقے و مقامات نہ صرف احسن تقویم کے شاہد ہیں بلکہ ضمناً اسفل سافلین (پست ترین درجہ) کے بھی شاہد ہیں جو خلاف ورزی کی وجہ سے شقاوت و محرومی کے مستوجب قرار پائے تھے۔

---

[1] سورۂ اعراف آیت ۱۰۱

"احسن تقویم" کی مذکورہ عظمت و رفعت نورِ فطرت کی وجہ سے ہے جو
اس میں پیوست ہے اور جس کا ربط و تعلق نورِ وحی سے ہے، جیسا کہ قرآنِ حکیم کی
اس آیت میں اشارہ ہے۔

| | |
|---|---|
| فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ | اللہ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں |
| عَلَیْھَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ[1] | کو پیدا کیا، اللہ کی بناوٹ میں کوئی |
| | تبدیلی نہیں ہے |

"فطرت" کے لغوی معنی آٹا گوندھ کر خمیر آنے سے پہلے روٹی پکانا ہے۔
"تفطر العجین" اس وقت کہا جاتا ہے جب آٹا گوندھ کر روٹی پکائی جائے[2]
پھر معنی میں توسیع ہو کر کسی شے کو خاص ہیئت پر ایجاد کرنے اور گھڑنے میں فطرت
کا استعمال ہونے لگا، چنانچہ "تفطر الخلق" کے یہ معنی بیان کئے گئے ہیں۔

| | |
|---|---|
| وھو ایجادہ الشئی وابداعہ | اللہ کا کسی چیز کو ایسی ہیئت میں |
| علی ھیئۃ مترشحۃ لفعل | گھڑنا کہ جس کے لئے اس کو پیدا کیا |
| من الافعال[3] | گیا ہے وہ اس کے لائق ہو جائے۔ |

انگریزی و عربی لغت میں فطرت کی یہ تعریف کی گئی ہے:
"بچّہ کی وہ نیچرل کانسٹی ٹیوشن جس پر وہ اپنی ماں کے پیٹ میں
پیدا کیا جاتا ہے۔"[4]

مذکورہ آیت میں فطرت سے مراد نورِ فطرت ہے جو پیدائش کے ابتدائی مرحلہ
میں ہر فرد کو منجانب اللہ عطا کیا جاتا ہے اور جس کو قریب الفہم بنانے کے لئے مختلف
تعبیرات (توانائی، قوت، استعداد، میلان وغیرہ) اختیار کی جاتی ہیں۔ چنانچہ راغب اصفہانی
نے آیت فطرۃ اللہ ...... الخ میں فطرت کی یہ تعبیر اختیار کی ہے۔

| | |
|---|---|
| ھی ما رکز فیہ من | اللہ کی فطرت سے وہ قوت مراد ہے |
| قوتہ علی معرفۃ الایمان[5] | جو ایمان کی معرفت کے لئے پیوست |

---

[1] سورہ روم آیت ۳۰ [2] مجدالدین الشیرازی، قاموس، فطر [3] ایضاً
[4] ARABIC ENGLISH LAXICAN By EDWARD
[5] راغب اصفہانی فی غرائب القرآن

کردی جاتی ہے۔

قاضی بیضاوی کہتے ہیں

| | |
|---|---|
| وھی قبولھم للحق وتمکنھم من ادراکہ [1] | حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کی جو استعداد وقدرت ہوتی ہے اس کا نام فطرت ہے۔ |

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کہتے ہیں:

| | |
|---|---|
| لان الانسان خلق فی اصل الفطرۃ مائلا الی بارئہ بل محبۃ وذلک المیل امر دقیق [2] | انسان کی اصل فطرت میں اپنے بزرگ و برتر پیدا کرنے والے کی طرف میلان پیدا کیا گیا ہے اور یہ میلان نہایت دقیق امر ہے۔ |

نورِ فطرت کا ثبوت قرآنِ حکیم کی اس آیت میں ہے:

| | |
|---|---|
| اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ [3] | کیا جو لوگ اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہیں پھر اس کے بعد ایک گواہ بھی آجاتا ہے اور پہلے سے موسیٰ کی کتاب رہنما اور رحمت کی حیثیت سے موجود ہے ایسے ہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔ |

"بیّنہ" کے معنی روشن دلیل وحجّت کے ہیں۔ یہاں نورِ فطرت مراد ہے جو روشنی و رہنمائی کے لئے انسان کے اندر ودیعت کر دیا گیا ہے۔ شاھد کے معنی گواہ ہیں۔ یہاں نورِ وحی (کتابِ الٰہی) مراد ہے جس کی حیثیت اندر کی آواز (نورِ فطرت) کے لئے آسمانی شاہد کی ہے [4]

---

[1] قاضی بیضاوی، تفسیر بیضاوی، روم آیت ۳۰

[2] حضرت شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، باب الایمان، بیان العبادۃ حق اللہ

[3] سورہ ہود آیت نمبر ۱۷ [4] محمد عبدہٗ تفسیر المنار، ج ۱۲، سورۂ ہود

نورفطرت کی طرف اشارہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں ہے:

کل مولود یولد علی الفطرۃ فابوہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ[1]

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اسے یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا ڈالتے ہیں۔

پھر ایک مثال کے ذریعہ آپؐ نے وضاحت فرمائی:

کما تنتج البہیمۃ بہیمۃ جمعاء ہل تحسون فیہا من جدعاء[2]

جیسا کہ بکری کا بچہ صحیح وسالم پیدا ہوتا ہے اس میں کن کٹے کا عیب نہیں پایا جاتا۔

ایک جنگ میں مسلمانوں نے دشمنوں کے بچوں کو بھی قتل کر دیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے سخت ناراض ہو کر فرمایا:

ما بال اقوام جاوزہم القتل الیوم حتی قتلو الذریۃ

لوگوں کو کیا ہو گیا کہ آج وہ حد سے گذر گئے اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا یہ مشرکین کے بچے نہ تھے؟ آپؐ نے فرمایا:

انما خیارکم ابناء المشرکین

تمہارے بہترین لوگ مشرکین ہی کی تو اولاد ہیں۔

پھر آپؐ نے فرمایا:

کل نسمۃ تولد علی الفطرۃ حتی یعرب عنہا لسانہا فابواہا یہودانہا او ینصرانہا[3]

ہر جان فطرت پر پیدا ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کی زبان کھلنے لگتی ہے تو ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی بنا ڈالتے ہیں۔

ابن اثیر نے بچہ کے فطرت پر پیدا ہونے کا [illegible] بیان کیا ہے
بچہ جبلت وطبیعت کی ایسی [illegible] پر پیدا [illegible] قبول دین کے لئے آمادہ ہوتی ہے اگر [illegible] پر چھوڑ دیا جائے [illegible] برقرار رہے[4]

(جاری ہے)

---

[1] بخاری ومسلم ومشکوۃ کتاب القدر [2] ایضاً [3] مسند احمد بن حنبل ونسائی
[4] ابن اثیر، النہایہ فی غریب حدیث